تو پیا ہے بہار کا
سعدیہ عابد

وہ لاؤنج میں کسی کی موجودگی سے یکسر انجان اپنی ہی دھن میں داخل ہوئی تھی کہ صوفے پر بیٹھے شخص پر نگاہ پڑتے ہی وہ جہاں کی تہاں رہ گئی تھی اور ساکت نگاہوں سے اس کے یکسر نئے روپ کو دیکھنے لگی تھی وہ اس کے سامنے ہی تو صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بڑی بے نیازی سے بیٹھا تھا اس کا خوبصورت چہرہ گہری سنجیدگی کا مظہر تھا کچھ کہتی نگاہوں پر فریم لیس گلاسز لگے تھے اس نئی تبدیلی نے اس کے خوبرو چہرے کی ہیت ہی بدل ڈالی تھی۔

بلیک پینٹ کوٹ پر وائٹ شرٹ پہنے وہ اس قدر جاذب نظر لگ رہا تھا کہ وہ یک ٹک حیرانگی کے عالم میں اس دیکھے جا رہی تھی اور وہ جو اس کی آہٹ پر ہی اس کی موجودگی سے واقف ہو گیا تھا اس کی جانب جان کر قدرے وقفے سے نگاہ اٹھائی تھی وہ ویسی ہی تھی حسین اور سنجیدہ پر وقار سی، کچھ نیا تھا تو اس کی آنکھوں کی بے یقینی وہ گہری سانس کھینچتا اس کے مدمقابل آن ٹھہرا تھا اس کا ٹرانس بکھرا تھا اور وہ پلکیں جھپکا گئی تھی جبکہ پلک نہ جھپکانے کی باری اس کی تھی وہ فیروزی کاٹن کے ایمبرائڈڈ سوٹ میں لمبے بالوں کی سادہ سی چوٹی بنائے ہر طرح کی آرائش سے مبرا اپنے حسن کے لشکاروں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ مدمقابل ہو تو وہ سانس لینا بھول جاتا تھا خود کو یاد رکھنا تو دور کی بات تھی اور وہ تقریباً تین ساڑھے تین سال بعد اسے اپنے سامنے پا کر وہ بھی نئے روپ میں حیران ہوئی تھی لیکن اس کی نگاہوں سے آشکار ہوتے اس کے جذبے اسے ہمیشہ کی طرح چڑانے کا سبب بن گئے تھے، وہ یکدم سرخ پڑ گئی تھی اور لب بھینچے جیسے ہی جانے کو پلٹی وہ اس کی کلائی تھام گیا اس کی اس حرکت پر اس کا برسوں سے سویا غصہ دنا گواری عود آئے اور وہ جھٹکے سے مڑتے ہوئے کلائی اس کی گرفت سے نکال گئی کچھ کہنے کو گلابی لب وا کیے ہی تھے کہ وہ بول پڑا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لئے آیا ہوں۔" اس کا بہت ٹھہرا ہوا گمبھیر لہجہ اس کی سماعتوں کو بے یقین کر گیا تھا کہ وہ کہاں اتنے خوبصورت لب ولہجہ کا مالک تھا وہ ایک بار پھر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی جبکہ اس کے یوں بے یقینی سے دیکھنے پر اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا اور وہ شکستگی سی محسوس کرتا صوفے کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ اپنی حیرت سے نکل کر اس کے سامنے آ بیٹھی تھی۔

"میں بڑے پاپا کی وفات کی خبر سن کر آنا چاہتا تھا مگر میں ملک سے باہر تھا اور بہت چاہ کر بھی ان کی آخری رسومات میں شامل نہ ہو سکا۔" اس کے سنجیدگی سے کہنے پر وانیہ کے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے اور وہ اس دشمن جاں کو روتا دیکھ شخص اپنا ضبط آزما کر رہ گیا تھا۔

"ہر انسان کی اپنی زندگی اور اس کی اپنی ہی معروفیات ہوتی ہیں اس لئے ہمیں آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے، آپ تعزیت کے لئے آئے ہم اس کے لئے آپ کے مشکور ہیں۔" وہ بڑی سرعت سے آنسو پونچھتی اپنے ازلی بیگانہ سے سرد لہجے میں بولتی اسے تاسف میں مبتلا کر گئی تھی وہ کچھ اور کہتا کہ رانیہ لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور اسے دیکھ بڑے بے تابانہ انداز میں اس کی طرف بڑھ آئی تھی۔

"بھیا! پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔" اس کی سرد مہری کے برعکس وہ اس کے کاندھے سے لگی بری طرح روتے ہوئے کہتی اسے اپنائیت کا گہرا احساس بخش گئی تھی۔

"رانی گڑیا! حوصلہ رکھو، بڑے پاپا کی

زندگی ہی اتنی تھی۔" وہ اسے خود سے لگائے نرمی سے اس کا سر سہلاتے ہوئے دکھی لہجے میں دلاسہ دے گیا تھا۔

"رانیہ! اپنے کمرے میں جا کر یونیفارم چینج کر کے فریش ہو جاؤ۔" وہ اسے چپ کروانے میں کامیاب ہو گیا تھا تب وہ اپنی مخصوص سرد مہری سے بول پڑی تھی۔

"بھیا! آپ واپس تو نہیں جاؤ گے نا؟" وہ وانیہ سے ڈرتی تھی اس لئے لمحہ ضائع کیے بنا اٹھ گئی تھی مگر بڑی آس سے جاتے اسے دیکھا تھا۔

"میں ابھی کچھ دن ٹھہروں گا۔" وہ مسکرایا تھا وہ کھل اٹھی تھی اس کے برعکس اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

"میں نے یہاں تمہارے لئے آیا ہوں نہ ہی تمہاری مرضی کا خیال رکھوں گا، مجھے بڑی ماما نے بلایا ہے اور وہ جب تک چاہیں گی میں یہی ٹھہروں گا۔" اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کی فکر نہ کرے اور تعزیت کر چکا ہے لہٰذا چلتا بنے اور اس کا صاف الفاظ میں کہنا اسے غصہ دلا گیا تھا اور وہ اس سے زیادہ سرد لہجہ میں بولا تھا روبینہ بیگم نے لب بھینچ لئے تھے کہ بیٹی کی بات ہی نہیں اس کا جتانا بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہا تھا اور انہوں نے بیٹی کو تاسف سے دیکھتے ہوئے اس کی تائید کی تھی وہ جھٹکے سے اٹھی مگر ماں کی پکار کے سبب وہاں سے جا نہیں سکی تھی۔

"ٹھہر جاؤ رانی، بات کرنی ہے کچھ۔" وہ بگڑے زاویوں کے ساتھ واپس بیٹھ گئی تھی۔

"صمیم کو میں نے اس لئے بلایا ہے کہ میں جلد از جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتی ہوں۔" سنجیدگی سے کہے جملے نے اسے خاموش بیٹھے صمیم کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اس نے جواباً اسے نہایت سرد نگاہوں سے دیکھ کر اسے نگاہ ہٹانے پر بھی مجبور کر ڈالا تھا۔

"نکاح تو ہو گیا تھا اب میں تمہیں صمیم کے سنگ رخصت کر دینا چاہتی ہوں۔" وہ ماں کو ناراض نظروں سے دیکھنے لگی تھی گویا کہہ رہی ہو کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ یہ فیصلہ کیسے لے سکتی ہیں؟

"میں تمہارے انکار کو اب کوئی اہمیت نہیں دوں گی۔" انہوں نے بیٹی کی سوچ پڑھ کر اسے باور کروایا تھا۔

"لیکن مما......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں، میں تمہاری رخصتی کی ڈیٹ فائنل کر رہی ہوں۔" وہ اسے موقع دیئے بغیر کہتے ہوئے خاموش تماشائی بنے صمیم کی جانب گھومتی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں صمیم کے اس جمعہ کو رخصتی کی چھوٹی سی تقریب رکھ لی جائے، اس پر تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟" اب انہوں نے براہ راست صمیم سے سوال کیا تھا جس نے ایک نگاہ ضبط کرتی، آنسوؤں کو پینے کی ناکام کوشش کرتی وانیہ کو دیکھا تھا اور فیصلہ کن لہجہ میں بولا تھا۔

"مجھے اعتراض ہے بڑی ماما۔" وہ دونوں ہی بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھیں جبکہ وہ مزید گویا ہوا تھا۔

"میں اس زبردستی کے بندھن کو کسی بوجھ کی طرح کاندھوں پر اٹھائے نہیں پھرنا چاہتا اس لئے آپ رخصتی کی بات نہ کریں کہ میں رشتہ قائم رکھنے نہیں ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔" اس کی بے یقینی بڑھی تھی اور وہ تو صدمہ کے زیر اثر چلی گئی تھیں۔

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو صمیم۔" ان کی اداس آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''یہی میرے اور وانیہ کے لئے مناسب ہے بڑی ماما، میں کچھ دنوں تک ڈائیورس پیپرز تیار کروا کر وانیہ کو ڈائیورس دے دوں گا۔'' اس نے سرد مہری کی انتہا کر ڈالی تھی اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے اجنبی انداز کی جانب توجہ مرکوز کی تھی کہ اسے ماں کی جانب متوجہ ہونا پڑا تھا، وہ صمیم کے منہ سے طلاق کی بات برداشت نہیں کر پائی تھیں اور سینے پر بائیں جانب ہاتھ رکھیں اپنے پورے قد سے زمین پر گرتی چلی گئی تھیں۔

''ماما!'' وہ بے اختیار ماں کی طرف لپکی تھی۔

''میری ماما کو کچھ ہوا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ ماں کا رخسار تھپکتی سسکی تھی۔

''تمہاری سرد مہری نے میری ماں کی جان لے لی مگر میں نے معاف کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ کو زیر بحث لانے کی کوشش تک نہ کی وانیہ بیگم۔'' اس کے ٹھنڈے لہجے میں اس کا حرکت کرتا ہاتھ تھم سا گیا تھا اور بھیگی پلکیں اس کے غیر معمولی سنجیدہ چہرے پر ٹھہر سی گئی تھیں۔

''اور آج مجھے معاف نہ کرنے کی بات تم کیسے کر سکتی ہو کہ میں نے تو وہی کیا جو تم چاہتی تھیں۔'' اس کے صاف جتانے پر وہ نگاہ چرا گئی تھی اور وہ تخی سے سر جھٹکتا رقیہ بیگم کو اٹھائے ہاسپٹل دوڑ گیا تھا، ایک ایک لمحہ ان تینوں پر بھاری تھا اسے تو تسلی دینے کا اس نے فی الحال سوچا تک نہ تھا البتہ رانیہ کو وہ ہزار خدشات کے باوجود نرمی سے سہارہ دیے ہوئے تھا کچھ گھنٹوں بعد آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا وہ لپک کر ڈاکٹر تک پہنچی تھی اور وہ ڈاکٹر کے جانے کے بعد بھی وہیں کھڑی رہی تھی جبکہ وہ آئی سی یو میں داخل ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر نے بھی کہا تھا کہ مریضہ کی صمیم سے ملنا چاہتی ہے۔

''صمیم تمہیں تمہاری مری ہوئی ماں کی قسم ہے تم وانیہ کو طلاق نہیں دو گے۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بے قراری سے بولی تھیں۔

''بڑی ماما! میں خود ایسا کب چاہتا ہوں لیکن وانیہ......''

''وانیہ بے وقوف ہے، کم عقل ہے بیٹا، اس کی حماقت میں اس کا ساتھ مت دو۔'' وہ اس کی بات کے درمیان نحیف لہجے میں بولی تھیں۔

''کیسے نہ دوں بڑی ماما، کہ میں اسے ساری زندگی زبردستی تو خود سے باندھے نہیں رکھ سکتا۔'' وہ ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے بھی بحث کرنے پر خود کو مجبور پا رہا تھا۔

''وہ کم عقلی کا ثبوت دے رہی ہے مگر تم تو ایسا نہ کرو صمیم کہ مجھے یقین ہے شادی کے بعد اس کا رویہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''امید کے سہارے پر ہی میری زندگی کے حسین سال یونہی خزاں تلے دھوپ تاپتے گزر گئے سب سے بڑی بات میری ماں میرے سر پر سہرا سجانے کی آرزو لئے منوں مٹی تلے جا سوئی۔'' اس کی آنکھوں میں بے بسی کی سرخی چھا گئی تھی۔

''مجھے افسوس ہے بیٹا! میں اپنی بیٹی کی نادانیوں کی معافی تم سے ہاتھ جوڑ کر مانگتی ہوں لیکن جو اس نے تمہارے اور تمہاری ماں کے ساتھ کیا وہ نہ لوٹاؤ۔'' یکدم ان کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

''مجھ سے وعدہ کرو صمیم کہ تم وانیہ کو معاف کر دو گے اس کو اس کی حماقتوں کی سزا نہ دو گے، تمہیں ایک مرتی ہوئی ماں کی ممتا کا واسطہ۔'' پل پل ان کی حالت بگڑ رہی تھی یکدم صمیم نے ان

کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''بڑی ماما! آپ جانتی ہیں کہ میں اس سنگدل کو کتنا چاہتا ہوں، اس کو سزا چاہوں بھی تو نہیں دے سکتا۔'' وہ ہارے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

''پھر طلاق کی بات کیوں کی؟'' وہ تڑپی تھیں۔

''کیونکہ وانیہ ایسا چاہتی ہے مجھے صرف اس کی خوشی عزیز ہے۔'' وہ کرلایا تھا۔

''وہ نادان نہیں جانتی کہ اس کی خوشی تمہارے ساتھ میں ہے، پلیز مجھ سے وعدہ کرو صمیم کے میرے بعد تم وانیہ کا خیال رکھو گے، اسے عزت ومحبت کی چھت دو گے۔'' وہ بیٹی کی کم عقلی پر ماتم کر رہی تھیں کہ سانسیں اکھڑنے لگی تھیں اور وہ بات ہی پلٹ گئی تھیں اسے مجبور کرنے لگی تھیں۔

''بڑی ماما!''

''وعدہ کرو صمیم کے وانیہ کے چاہنے پر بھی اسے نہیں چھوڑو گے اور محبت سے اس کا دل جیت لو گے۔'' ہر گزرتے پل کے ساتھ ان کی زندگی ان کے ہاتھ سے پھسل رہی تھی۔

''جس کے پاس دل ہی نہیں ہے اسے کیسے جیت سکتا ہوں میں؟'' بے بسی سے سوچا تھا۔

''میرے بعد وانیہ کے ہی نہیں رانیہ کا بھی مضبوط سہارا ثابت ہو گے کہ میں اپنی دونوں بچیاں تمہارے سپرد کر کے جا رہی ہوں۔'' موت کی دستک بڑھی تھی کہ انہیں رانیہ کی بھی فکر ستانے لگی تھی۔

''بڑی ماما! آپ فکر نہ کریں میں وعدہ کرتا ہوں کہ وانیہ کا خیال رکھوں گا اور رانیہ میری چھوٹی بہن ہی نہیں میری بیٹی کی طرح ہے آپ سے وعدہ ہے میرا اسے دلہن بنا کر عزت سے رخصت کروں گا۔'' وہ اس کی موت کی آہٹیں سن کر تڑپ اٹھا تھا کہ اس نے رقیہ بیگم کو کبھی اپنی ماں سے کم نہیں سمجھا تھا اس لئے جب وہ موت کے بہت قریب تھیں ان سے وعدہ کر گیا تھا۔

''وانیہ! وانی کو بلاؤ بات کرنی ہے اس سے۔'' اس کے وعدہ کر لینے پر اطمینان سا محسوس کر کے بیٹی کو بلانے کو تڑپ اٹھی تھیں کہ کچھ وعدے تو اسے بھی سونپنے تھے جس نے اپنی بہت آسان زندگی کو از خود کٹھن بنا لیا تھا۔

''ماما! آپ کو کچھ نہیں......''

''میری بات غور سے سنو وانی، تم اب آگے زندگی میں کوئی حماقت نہیں کرو گی، تمہیں میری قسم ہے تم صمیم کو اپنا شوہر تسلیم کر کے اس کے ساتھ ایک اچھی ازدواجی زندگی بسر کرو گی ایسا نہ کیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' لمحہ بہ لمحہ زندگی کی ڈور کھینچی جا رہی تھی وہ ماں کی حالت پر تڑپ رہی تھی۔

''ماما! میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ چاہیں گی، بس آپ ٹھیک ہو جایئے مجھے اور رانیہ کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔'' وہ بلکتے ہوئے ماں پر جھکی تھی ان کی سرد پڑتی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

''رانی کا میرے بعد بہت خیال رکھنا، زندگی میں کوئی ایسی حماقت نہ کرنا جو رانی کی خوشیوں میں رکاوٹ بن جائے۔'' اس کے اقرار کر لینے کے بعد بھی وہ غیر مطمئن تھیں کہ صمیم کے معاملے میں اس کی ہٹ دھرمی نے انہیں پہلے ہی آٹھ آٹھ آنسو رلایا تھا اس لئے اس کے اقرار پر بھی یقین نہ ہو پا رہا تھا۔

''بڑی ماما! آپ بھروسہ رکھیں میں اور وانیہ مل کر رانیہ کا بے حد خیال رکھیں گے۔'' وہ انہیں تکلیف میں دیکھ ان کے قریب چلا آیا تھا مگر وہ

کچھ کہہ نہیں پائی تھیں ان کی نگاہ آئی سی یو کے دروازے پر ٹھہری رانیہ پر جمی تھیں اور ان کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ گئی تھی دنیا سے ان کا تعلق ختم ہوگیا تھا ان دونوں کی چیخوں سے پورا اسپتال گونج اٹھا تھا اور وہ آنکھوں میں آنسو لئے ان دونوں کو سنبھالنے میں لگا تھا مگر صدمہ ایسا تھا کہ ان دونوں کی سنبھلنے کے لئے بہت وقت درکار تھا کہ باپ کا ابھی کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ ماں بھی ساتھ چھوڑ گئی تھی بلکتی ہوئی رانیہ کو خود سے لپٹا کر اس نے اپنے بقیہ تمام آنسو اپنے اندر ہی اتار لئے تھے اور ماں کی آخری رسومات بڑے صبر سے ادا کرتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

نثار درانی اور ابصار درانی دو بھائی تھے، نثار درانی بڑے تھے ان کی دو بیٹیاں وانیہ اور رانیہ تھیں، رانیہ وانیہ سے تقریباً آٹھ سال چھوٹی تھی، وانیہ بی کام کی جب کہ رانیہ ساتویں جماعت کی طالبہ تھی، وانیہ فطرتاً سنجیدہ مزاج کی اپنے کام سے کام رکھنے اور اپنی ذات میں سمٹی رہنے والی خوش شکل لڑکی تھی، ابصار درانی کا ایک بیٹا صمیم درانی تھا، صمیم نے بی ایس سی کیا تھا اور آج کل ہاؤس جاب کر رہا تھا وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اور شادی کے تقریباً چار سال تک بے اولاد رہنے والے تایا تائی کی بھی آنکھوں کو تارا تھا جس کی اہمیت وانیہ اور رانیہ کی پیدائش کے بعد بھی کم نہیں ہوئی تھی، صمیم ہر وقت ہنسی مذاق کرنے والا، شرارتی، بذلہ سنج سا نوجوان تھا اس کے گھر میں اس کے دم سے ہر وقت رونق لگی رہتی تھی اور جب وہ نثار ہاؤس میں آتا تو یہاں بھی رونق لگ جاتی رانیہ اس کی آمد سے جتنی خوش ہوتی تھی وانیہ اتنی ہی غصہ، کیونکہ اسے اپنا یہ غیر سنجیدہ سا ہر وقت اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے والا رنگ برنگی ٹی شرٹس پہننے والا کزن انتہائی برا لگتا تھا کہ وہ خود جیسی تھی ویسے ہی لوگ اسے متاثر کرتے تھے خاص اسے کم گو اور بردباری سے بولنے اور ہلکے رنگ کا لباس پہننے والے مرد متاثر کرتے تھے، اس لئے اس کی چڑ چڑ بولنے اور اونچے اونچے قہقہے لگانے کی عادت کے سبب اس کی اور صمیم کی کبھی نہیں بنی تھی کہ بچپن میں تو اس کی شرارتوں سے وہ اس قدر عاجز رہی تھی کہ جب وہ لوگ کراچی سے اسلام آباد شفٹ ہوئے تھے تو اس نے سکھ کا سانس لیا تھا وہ صمیم سے تین سال چھوٹی تھی مگر اس کے برعکس کافی بردبار اور سنجیدہ سی تھی اس کی سنجیدگی پر وہ بظاہر چوٹ کرتا رہتا تھا مگر وہ اپنی کم گو سی خود سے پریشان وعاجز کزن پر دل و جان سے فدا تھا اسی لئے اس کو بہت ستایا کرتا تھا مگر وہ اس بالکل پسند نہ تھا اسی لئے جب اس کا فرسٹ پر پوزل آیا تھا اس سے پہلے کہ نثار درانی اسے قبول کرتے کہ ابصار درانی بڑے بھائی کے سامنے سوالی بن گئے تھے اور انہیں کیا اعتراض ہوسکتا تھا وہ فوراً ہی راضی ہوگئے تھے کہ انہیں بھی صمیم بے حد عزیز تھا مگر جیسے ہی وانیہ کو پتہ چلا تھا اس نے پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا بہت روئی تھی اور صاف انکاری ہوگئی تھی نثار درانی نے وجہ پوچھی تھی تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کو غیر سنجیدہ مزاج ہر وقت ہنگامہ برپا رکھنے والا صمیم نہایت ناپسند ہے وہ اس سے کسی قیمت پر شادی نہیں کرے گی ان دونوں میاں بیوی نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وقت کے ساتھ ذمہ داریوں کے پڑتے ہی وہ سنجیدہ ہو جائے گا لیکن وہ نہیں مانی تھی اس انکار کی وجہ ان لوگوں کو بے معنی سی لگ رہی تھی اس لئے ان کی منگنی کی ڈیٹ فکسڈ ہوگئی تھی لیکن اس نے ماں باپ سے مایوس ہو کر چاچا، چاچی سے رابطہ کیا تھا

اور وہ بے چارے کیا کہتے کہ اس سب میں ان کی مرضی شامل تھی تو صرف اس لئے کہ وہ ان کے بیٹے کی چاہت تھی اور وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خوش دیکھنا چاہتے تھے انہوں نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس کا وہی انکار تھا بات صمیم کے بھی علم میں آ گئی تھی اور وہ کراچی پہنچ گیا تھا، اسے سمجھانے، منانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر سب بے سود ثابت ہوا تھا۔

''آپ مجھے اچھے نہیں لگتے، میں نے آپ کے بارے میں اس طرح کبھی نہیں سوچا۔'' گلابی چہرے والی وانیہ قدرے جھنجلا کر بولی تھی۔

''کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟'' بے بسی سے پوچھا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے سمجھے آپ، آپ مجھے اچھے نہیں لگتے تو بس نہیں لگتے اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ کوئی اور اچھا لگتا ہے اس لئے آپ برے لگتے ہیں۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

''آئی ایم سوری وانیہ۔'' اس کے غصہ کرنے پر وہ گھبرا گیا تھا اس کے گھبرا کر معذرت کرنے پر وہ چڑ گئی تھی کہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ وہ اگر اس کے ساتھ کوئی شرارت کرتا تھا تو وہ غصہ سے ہمیشہ ناک بھوں ہی چڑھایا کرتی تھی اور ایسے میں وہ فوراً معذرت طلب کر جاتا تھا اور اس کی یہ عادت اسے صمیم کی کمزوری لگتی تھی جبکہ وہ اپنے دل سے مجبور ہو جاتا تھا تا کہ وہ خفا نہ رہے کہ کسی بات پر وہ روٹھ جاتی تھی یا اسے غصہ آ جاتا تھا تو وہ اس کے آنے پر کمرے سے ہی نہیں نکلتی تھی جبکہ وہ صرف اسلام آباد سے کراچی اس کی محبت میں آتا تھا اس لئے اسے روٹھنے نہ دینے کی کوشش شروع کر دیتا تھا جو اسے ہرگز بھی پسند نہیں آتی تھی۔

''اٹس او کے۔'' ناک چڑھا کر بولی تھی۔

''وانیہ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔''

''مگر میں آپ سے نہ محبت کرتی ہوں، نہ ہی شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی بات درمیان سے کاٹ کر تختی سے بولی تھی۔

''آخر تم مجھے اتنا ناپسند کیوں کرتی ہو، کیا برائی ہے مجھ میں؟'' وہ دکھ سے بولا تھا۔

''آپ کا اور میرا مزاج یکسر مختلف ہے، مجھے بارعب شخصیت رکھنے والے کم گو اور سنجیدہ سے مرد اچھے لگتے ہیں اور آپ ایسے نہیں ہیں اس لئے مجھے آپ سے شادی سے انکار ہے اور......''

''اس میں کون سی بڑی بات ہے، میں خود کو چینج کر لوں گا۔'' وہ اس کی بات اچک کر بولا تھا اور وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کے لئے اپنی ذات اتنی ہی غیر اہم ہے؟'' تمسخر اڑاتے لہجے میں بولی تھی۔

''میرے لئے تمہاری خوشی زیادہ اہم ہے۔'' وہ ترنت بولا تھا۔

''میری خوشی آپ کے ساتھ میں نہیں ہے۔'' گویا اس نے بات ہی ختم کر دی تھی، ان سب کے ساتھ ساتھ صمیم کی ہر کوشش رایگاں گئی تھی اور وہ اس کے انکار اس کی ضد سے اتنا ہرٹ ہرا تھا کہ مایوس ہو کر اس نے خودکشی کی کوشش کر ڈالی تھی جس نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا جبکہ وہ خود کو حق بجانب سمجھنے لگی تھی کہ اس کی اس حرکت نے اس کی کمزوری صاف اس پر عیاں کر دی تھی کہ وہ اس کے ہر فعل، ہر بات میں سے اپنی مرضی کے معنی نکال رہی تھی اسے صمیم کی محبت نظر ہی نہیں آ رہی تھی، اس کی خودکشی کی کوشش ناکام ہو گئی تھی مگر بیٹے کو زندگی اور موت کے درمیان لٹکتے پا کر وہ دونوں میاں بیوی بے چین ہو گئے تھے ابصار درانی نے باقاعدہ بڑے بھائی

کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے نثار درانی عجیب
مشکل میں پھنس گئے تھے ایک طرف بیٹی تھی تو
دوسری جانب بھتیجا اور ان کو تعامل کا شکار دیکھ
ثانیہ درانی نے اپنی ردا جیٹھ جٹھانی کے قدموں
میں رکھ دی تھی کہ انہیں اکلوتا بیٹا بہت عزیز تھا اور
ان کی اس حرکت کے بعد نثار درانی نے بیٹی کی
ضد، اس کی خوشی کا خیال نہیں رکھا تھا بھابھی کی
حرمت کا پاس رکھتے ہوئے ان کو رضا مندی
دے دی تھی اور انہوں نے منگنی کے بجائے نکاح
کی بات کر دی تھی اور وہ خاموش رہے تھے مگر
جیسے ہی اسے پتہ چلا تھا وہ ان کے فیصلے کے آگے
آ گئی تھی مگر انہوں نے اس بار اس کی نہ سنی اور وہ
بھوک ہڑتال پر چلی گئی تو انہوں نے اسے اپنی قسم
دے کر نکاح پر مجبور کر دیا اور وہ ان سب سے خفا
ہو کر بھی وانیہ صمیم بننے سے خود کو بچا نہیں پائی تھی
مگر نکاح کے بعد اس نے چاچا چاچی کا ہی سامنا
کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ اپنے پیرنٹس سے بھی خفا
تھی اس کے رویے کی وجہ سے صمیم کی شرارتیں،
ہنسی مذاق سب ماند پڑ گئے تھے اور بیٹے کی بدلتی
روٹین چہرے پر نظر آنے والی آزردگی ان کی
زندگی کے دن کم کرتی چلی گئی تھی اور وہ ایک دن
بڑی خاموشی سے دنیا سے چل بسی تھیں، ماں کی
موت نے اسے بالکل ہی خاموش کر دیا تھا گھر
کے در و دیوار اس کی ہنسی کو ترس گئے تھے اور وہ
اسپشلائزیشن کے لئے باہر چلا گیا تھا ثانیہ درانی
کی وفات کے تقریباً آٹھ ماہ بعد ابصار درانی بھی
اسے چھوڑ کر گئے تھے اس لئے اس نے مکمل
سکونت باہر ہی اختیار کر لی تھی اور تقریباً دو سال
بعد اسے نثار درانی کی موت کی خبر ملی تھی مگر وہ چاہ
کر بھی پاکستان نہیں آ سکا تھا اور تقریباً دو ماہ بعد
جب فراغت میسر آئی تھی اس کا پاکستان جانے کا
دل ہی نہیں کر رہا تھا مگر رقیہ بیگم کے اصرار پر وہ
نثار درانی کی وفات کے تقریباً پانچ ماہ بعد
پاکستان چلا آیا تھا یکسر نئے روپ میں اور اس کا
یہ روپ اسے حیران کر گیا تھا جس نے اسے اس
کی خوش مزاجی اور لاابالی سی طبیعت کے سبب
اسے بہت بڑی سزا دی تھی، اس سے اس کی بذلہ
سنجی ہی نہیں اس کے اپنے بھی چھین لئے تھے اور
بالکل تنہا کر ڈالا تھا وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر
کٹھور ثابت کر رہا تھا لیکن رقیہ بیگم اسے اپنے
وعدہ پر پابند کر گئیں تھیں اور ان کے چالیسویں
کے بعد اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مزید
کراچی میں نہیں ٹھہر سکتا اور اس نے بھیگتی پلکوں
سے قسمت کے آگے سر جھکا دیا تھا وہ اس کے خود
سے رخصتی کے لئے کہنے پر بہت کچھ اسے جتانا
چاہتا تھا مگر رقیہ بیگم سے کیے عہد اس کی راہ کی
رکاوٹ بن گئے اور یوں نہایت سادگی کے ساتھ
چند ایک دور کے رشتہ داروں اور دوستوں کی
موجودگی میں رخصتی کی تقریب انجام پا گئی تھی اور
وہ دونوں اس کے ساتھ اسلام آباد آ گئی تھیں صمیم
کے دوست فہیم اور اس کی بیوی عرشیہ نے ان کا
گھر آنے تک بھرپور ساتھ دیا تھا فہیم اپنی فیملی
کے ساتھ اس کے برابر والے بنگلو میں رہائش
پذیر تھا اور ان دونوں میاں بیوی نے اسلام آباد
سے کراچی جانے میں بھی خوش دلی سے حصہ لیا تھا
اور سارے انتظامات خوش اسلوبی سے سرانجام
دیئے تھے۔

ان لوگوں کو اسلام آباد آئے تقریباً دو گھنٹے
ہو گئے تھے مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی
ایک دوسرے کو مخاطب تک نہیں کیا تھا وہ دونوں
میاں بیوی کھانا کھا کر اپنے گھر چلے گئے تھے
عرشیہ اسے صمیم کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی وقت
گزر رہا تھا وہ تو نہیں آیا تھا البتہ اس نے رانیہ کو
اس کے پاس بھیج دیا تھا کیونکہ وہ نئی جگہ پر کچھ

ہراساں تھی کہ پے در پے والدین کی وفات نے اسے بہت کمزور اور زود رنج کر دیا تھا، کتنے ہی آنسو اس کے دل پر گرتے چلے گئے تھے اور وہ چینج کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی تھی پوری رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا، گزری رات ہی نہیں آنے والی صبح نے بھی اس کی حیثیت کا تعین کر دیا تھا وہ اسے دیکھنا تو دور مخاطب کرنے سے بھی گریزاں تھا اور اس نے بھی کسی قسم کی کوشش کرنے کی بجائے اپنے سابقہ رویوں کی تلافی کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا اور رانیہ کے کمرے میں شفٹ ہو گئی اور یونہی وہ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی کو نظر انداز کرتے صبح و شام گزارنے لگے اور دو ماہ گزر گئے تھے رانیہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی وہ رانیہ کو مکمل وقت و توجہ دے رہا تھا البتہ اس کو مخاطب بھی کرنا ہوتا تو رانیہ کو ہی سیڑھی بناتا تھا کبھی ڈائریکٹ اس کے ذریعے تو کبھی ان ڈائریکلی اس تک صمیم کی بات رانیہ تک پہنچ جاتی تھی۔

☆☆☆

وہ تینوں ڈائننگ ہال میں موجود بریک فاسٹ کر رہے تھے آج قمری مہینہ شعبان کی چودہ تاریخ تھی اسی لئے رانیہ ناشتہ کرتے ہوئے صمیم سے پٹاخوں اور پھلجڑیوں کو دلانے کی ضد کرنے لگی تھی وانیہ ہمیشہ کی طرح یوں بیٹھی تھی جیسے موجود نہ ہو مگر اس کے اقرار پر اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی جبکہ رانیہ خوشی سے کھل اٹھی تھی اور وہ اس کی نظروں کو محسوس کرنے کے باوجود انجان بنا مارکیٹ جانے کا پروگرام ترتیب دینے لگا تھا اور اس کی برداشت جواب دے گئی تھی اور رانیہ کے وہاں سے جاتے ہی ڈھائی ماہ میں وہ پہلی دفعہ اسے براہ راست مخاطب کر گئی تھی۔

''آج شب برات یعنی عبادت کی رات ہے نہ کہ آتش بازی کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ رات نصیب ہوئی ہے اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ رانیہ کو اس شب کی اہمیت کو اس کی اصل روح کے ساتھ بتائیں نہ کہ اسے پٹاخے دلانے چل پڑیں۔'' وہ نہایت تلخی سے بولی تھی اور وہ اسے سینے پر بازو باندھے گہری سنجیدگی سے سن رہا تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا وہ پہلے پہل تو سمجھی نہیں اور جیسے ہی بات سمجھ آئی توہین کے احساس سے وہ سلگ اٹھی تھی اور وہ نہایت غصہ سے اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی اور اس کو بہت کچھ کہتی چلی گئی تھی جسے اس نے سنا نہایت سنجیدگی سے تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھانے بڑھا تھا کہ وہ اس کا بازو دبوچ گئی تھی۔

''میں پاگل ہوں جو بکواس کیے جا رہی ہوں، آپ میری بات کے جواب میں کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں۔'' وہ غصہ کی انتہاؤں پر تھی اس نے ایک نگاہ اس کے حسین تمتماتے چہرے کو دیکھا اور بڑی سہولت سے اس کا موی ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا اور آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا یکدم توہین و رہانت کا احساس قوی ہو گیا تھا بے بسی کے احساس سے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''نہیں کرنی آپ کو مجھ سے بات تو یاد رکھیں کہ میں بھی آپ سے بات کرنے کے لئے مر نہیں رہی ہوں۔'' گرتے آنسو بھیگا لہجہ اس کی بے نیازی میں دراڑیں ڈال گیا تھا، وہ بے اختیار اس دشمن جاں کو دیکھنے لگا تھا وہ اسے کتنی عزیز تھی وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا مگر اس کی چاہت میں اس نے خود کو یکسر بدل ڈالا تھا اور وہ اس کی پسند کے خاکے میں اترا اس کو نظر انداز کر رہا تھا تو بھی اسے اس سے شکایت ہونے لگی

کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے نثار درانی عجیب مشکل میں پھنس گئے تھے ایک طرف بیٹی تھی تو دوسری جانب بھتیجا اور ان کو تعامل کا شکار دیکھ ثانیہ درانی نے اپنی ردا جیٹھ جٹھانی کے قدموں میں رکھ دی تھی کہ انہیں اکلوتا بیٹا بہت عزیز تھا اور ان کی اس حرکت کے بعد نثار درانی نے بیٹی کی ضد، اس کی خوشی کا خیال نہیں رکھا تھا بھابھی کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے ان کو رضا مندی دے دی تھی اور انہوں نے منگنی کے بجائے نکاح کی بات کر دی تھی اور وہ خاموش رہے تھے مگر جیسے ہی اسے پتہ چلا تھا وہ ان کے فیصلے کے آگے آ گئی تھی مگر انہوں نے اس بار اس کی نہ سنی اور وہ بھوک ہڑتال پر چلی گئی تو انہوں نے اسے اپنی قسم دے کر نکاح پر مجبور کر دیا اور وہ ان سب سے خفا ہو کر بھی وانیہ ضمیم بننے سے خود کو بچا نہیں پائی تھی مگر نکاح کے بعد اس نے چاچا چاچی کا ہی سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ اپنے پیرنٹس سے بھی خفا تھی اس کے رویے کی وجہ سے ضمیم کی شرارتیں، ہنسی مذاق سب ماند پڑ گئے تھے اور بیٹے کی بدلتی روٹین چہرے پر نظر آنے والی آزردگی ان کی زندگی کے دن کم کرتی چلی گئی تھی اور وہ ایک دن بڑی خاموشی سے دنیا سے چل بسی تھیں، ماں کی موت نے اسے بالکل ہی خاموش کر دیا تھا گھر کے در و دیوار اس کی ہنسی کو ترس گئے تھے اور وہ اسپشلائزیشن کے لئے باہر چلا گیا تھا ثانیہ درانی کی وفات کے تقریباً آٹھ ماہ بعد ابصار درانی بھی اسے چھوڑ کر گئے تھے اس لئے اس نے مکمل سکونت باہر ہی اختیار کر لی تھی اور تقریباً دو سال بعد اسے نثار درانی کی موت کی خبر ملی تھی مگر وہ چاہ کر بھی پاکستان نہیں آ سکا تھا اور تقریباً دو ماہ بعد جب فراغت میسر آئی تھی اس کا پاکستان جانے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا مگر رقیہ بیگم کے اصرار پر وہ

نثار درانی کی وفات کے تقریباً پانچ ماہ بعد پاکستان چلا آیا تھا یکسر نئے روپ میں اور اس کا یہ روپ اسے حیران کر گیا تھا جس نے اسے اس کی خوش مزاجی اور لاابالی سی طبیعت کے سبب اسے بہت بڑی سزا دی تھی، اس سے اس کی بذلہ سنجی ہی نہیں اس کے اپنے بھی چھین لئے تھے اور بالکل تنہا کر ڈالا تھا وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر کٹھور ثابت کر رہا تھا لیکن رقیہ بیگم اسے اپنے وعدہ پر پابند کر گئیں تھیں اور ان کے چالیسویں کے بعد اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مزید کراچی میں نہیں ٹھہر سکتا اور اس نے بھیگتی پلکوں سے قسمت کے آگے سر جھکا دیا تھا وہ اس کے خود سے رخصتی کے لئے کہنے پر بہت کچھ اسے جتانا چاہتا تھا مگر رقیہ بیگم سے کیے عہد اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئے اور یوں نہایت سادگی کے ساتھ چند ایک دور کے رشتہ داروں اور دوستوں کی موجودگی میں رخصتی کی تقریب انجام پا گئی تھی اور وہ دونوں اس کے ساتھ اسلام آباد آ گئی تھیں ضمیم کے دوست فہیم اور اس کی بیوی عرشیہ نے ان کا گھر آنے تک بھرپور ساتھ دیا تھا فہیم اپنی فیملی کے ساتھ اس کے برابر والے بنگلو میں رہائش پذیر تھا اور ان دونوں میاں بیوی نے اسلام آباد سے کراچی جانے میں بھی خوش دلی سے حصہ لیا تھا اور سارے انتظامات خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے تھے۔

ان لوگوں کو اسلام آباد آئے تقریباً دو گھنٹے ہو گئے تھے مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو مخاطب تک نہیں کیا تھا وہ دونوں میاں بیوی کھانا کھا کر اپنے گھر چلے گئے تھے عرشیہ اسے ضمیم کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی وقت گزر رہا تھا وہ تو نہیں آیا تھا البتہ اس نے رانیہ کو اس کے پاس بھیج دیا تھا کیونکہ وہ نئی جگہ پر کچھ

ہراساں تھی کہ پے در پے والدین کی وفات نے اسے بہت کمزور اور زود رنج کر دیا تھا، کتنے ہی آنسو اس کے دل پر گرتے چلے گئے تھے اور وہ چینج کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی تھی پوری رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا، گزری رات ہی نہیں آنے والی صبح نے بھی اس کی حیثیت کا تعین کر دیا تھا وہ اسے دیکھنا تو دور مخاطب کرنے سے بھی گریزاں تھا اور اس نے بھی کسی قسم کی کوشش کرنے کی بجائے اپنے سابقہ رویوں کی تلافی کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا اور رانیہ کے کمرے میں شفٹ ہو گئی اور یونہی وہ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی کو نظر انداز کرتے صبح و شام گزارنے لگے اور دو ماہ گزر گئے تھے رانیہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی وہ رانیہ کو مکمل وقت و توجہ دے رہا تھا البتہ اس کو مخاطب بھی کرنا ہوتا تو رانیہ کو ہی سیڑھی بناتا تھا کبھی ڈائریکٹ اس کے ذریعے تو کبھی ان ڈائریکلی اس تک صمیم کی بات رانیہ تک پہنچ جاتی تھی۔

☆☆☆

وہ تینوں ڈائننگ ہال میں موجود بریک فاسٹ کر رہے تھے آج قمری مہینہ شعبان کی چودہ تاریخ تھی اسی لئے رانیہ ناشتہ کرتے ہوئے صمیم سے پٹاخوں اور پھلجڑیوں کو دلانے کی ضد کرنے لگی تھی وانیہ ہمیشہ کی طرح یوں بیٹھی تھی جیسے موجود نہ ہو مگر اس کے اقرار پر اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی جبکہ رانیہ خوشی سے کھل اٹھی تھی اور وہ اس کی نظروں کو محسوس کرنے کے باوجود انجان بنا مارکیٹ جانے کا پروگرام ترتیب دینے لگا تھا اور اس کی برداشت جواب دے گئی تھی اور رانیہ کے وہاں سے جاتے ہی ڈھائی ماہ میں وہ پہلی دفعہ اسے براہ راست مخاطب کر گئی تھی۔

''آج شب برات یعنی عبادت کی رات ہے نہ کہ آتش بازی کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ رات نصیب ہوئی ہے اس لئے بہتر ہو گا کہ آپ رانیہ کو اس شب کی اہمیت کو اس کی اصل روح کے ساتھ بتائیں نہ کہ اسے پٹاخے دلانے چل پڑیں۔'' وہ نہایت تلخی سے بولی تھی اور وہ اسے سینے پر بازو باندھے گہری سنجیدگی سے سن رہا تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا وہ پہلے پہل تو سمجھی نہیں اور جیسے ہی بات سمجھ آئی توہین کے احساس سے وہ سلگ اٹھی تھی اور وہ نہایت غصہ سے اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی اور اس کو بہت کچھ کہتی چلی گئی تھی جسے اس نے سنا نہایت سنجیدگی سے تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھانے بڑھا تھا کہ وہ اس کا بازو دبوچ گئی تھی۔

''میں پاگل ہوں جو بکواس کیے جا رہی ہوں، آپ میری بات کے جواب میں کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں۔'' وہ غصہ کی انتہاؤں پر تھی اس نے ایک نگاہ اس کے حسین تمتماتے چہرے کو دیکھا اور بڑی سہولت سے اس کا موی ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا اور آگے بڑھ کر موبائل اٹھا لیا یکدم توہین و رہانت کا احساس قوی ہو گیا تھا بے بسی کے احساس سے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''نہیں کرنی آپ کو مجھ سے بات تو یاد رکھیں کہ میں بھی آپ سے بات کرنے کے لئے مر نہیں رہی ہوں۔'' گرتے آنسو بھیگا لہجہ اس کی بے نیازی میں دراڑیں ڈال گیا تھا، وہ بے اختیار اس دشمن جاں کو دیکھنے لگا تھا وہ اسے کتنی عزیز تھی وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا مگر اس کی چاہت میں اس نے خود کو یکسر بدل ڈالا تھا اور وہ اس کی پسند کے خاکے میں اترا اس کو نظر انداز کر رہا تھا تو بھی اسے اس سے شکایت ہونے لگی

تھیں، یکدم اس نے آنسو رگڑے اور دوری مٹاتے ہوئے عین اس کے سامنے ٹھہر گئی۔

''دشمنی مجھ سے ہے، اپنے ٹھکرائے جانے اور اپنی ماں کی موت کا بدلہ مجھ سے لینا ہے نا، تو تل تل کر کے ماریں یا یکدم ہی گلا دبا کر میری سانسیں چھین لیں مگر یاد رکھیں میری بہن کو سٹر میں نہ بنائیں۔'' وہ بہت غصہ سے بولی تھی مگر وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا جواب نجانے کون سا الزام اس پر جڑنے جا رہی تھی۔

''رانیہ کا اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے اس لئے اسے اس سب میں مت گھسیٹیں، اسے اچھائی اور نیکی کا درس نہیں دے سکتے تو کم از کم گمراہی کی دلدل بھی اس کا نصیب نہ بنائیں۔'' اس نے غصے سے لب بھینچ لئے تھے چہرہ الگ دہک اٹھا تھا مگر اس کی بکواس یونہی چل رہی تھی۔

''اسے شب برات کی اصل روح، عبادات کی اہمیت بتانے کی بجائے اسے بم پٹاخوں میں الجھا کر آپ مجھ سے نہیں رانیہ سے دشمنی نبھا رہے ہیں اور یہ آپ کو زیب نہیں دیتا کہ میرے کیے کی سزا آپ میری معصوم بہن کو بے راہ رو کر کے دیں۔'' وہ آگے بھی بہت کچھ بولتی جا رہی تھی وہ سب اس کی زبان سے نکل رہا تھا جو اس نے تصور تک نہیں کیا تھا اور اس کی چلتی زبان کو یکدم بریک لگ گئے تھے۔

''تڑاخ۔'' کمرے کی فضا میں تھپڑ کی گونج پھیلتی چلی گئی تھی اور وہ گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''رانیہ بہن ہے میری دشمن نہیں ہے اس لئے بہتر ہوگا کہ اپنی گھٹیا سوچ اپنے تک ہی محدود رکھو۔'' اس کے لہجے میں شعلوں کی سی لپک تھی۔

''میں تمہیں صفائی دینا ضروری نہیں سمجھتا مگر یاد رکھنا کہ میں نے صرف رانیہ کی خوشی کے لئے اس کی ضد مان لی مگر میرا ارادہ اسے آتش بازی کا پلندہ دلانے کا بالکل نہیں تھا میں نے سوچا تھا کہ اسے باہر لے جاؤں گا اسے چند ایک اس کی پسند کی چیزیں دلا کر اسے بتاؤں گا کہ ہمارے مذہب میں ان سب چیزوں کی بالکل اجازت نہیں ہے۔'' وہ اب دھیرے دھیرے بول رہا تھا اور اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی تھیں کہ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ تھپڑ کی ذلت سہی تھی۔

''میں اس کی بات کو ریفوز کر کے شب برات کی فضیلت و اہمیت سے آگاہ کرتا تو شاید اسے میری بات سمجھ نہ آتی اس لئے میں نے درمیانی راہ نکالی تھی لیکن تم نے حد ہی کر ڈالی اور یاد رکھنا رانیہ تمہاری نہیں میری ذمہ داری ہے بڑی ماما اسے تمہارے نہیں میرے سہارے چھوڑ گئی ہیں اس لئے تمہیں اس کی فکر میں دبلا ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔'' وضاحت دیتے دیتے تلخی سے اس نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

''اور میں جانتا ہوں تمہارے ذہن و دل میں میری طرف سے کتنا غبار کتنی نفرت ہے مگر اس نفرت کو میں بھی چاہوں گا کہ تم مجھ تک رکھو رانیہ کو اس سب کا حصہ نہ بناؤ کہ خدا پاک کی قسم رانیہ مجھے ایک بہن و بیٹی ہی کی مانند عزیز و محبوب ہے۔'' وہ ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالتا اپنے کمرے سے ہی نہیں رانیہ کو لئے گھر سے ہی نکل آیا تھا اور راستے میں اس نے نہایت نرمی سے اسے شب برات کی فضیلت سے آگاہی دینا شروع کی تھی جو اسے سمجھ آ گئی تھی اور اس نے ضمیم کے کچھ کہنے سے قبل خود ہی پٹاخے لینے سے ہاتھ کھینچ لئے تھے اور دھیمے سے بولی تھی۔

''بھیا! آپ ایسا کریں کہ مجھے اتنی رقم دے دیں جتنی آپ مجھے پٹاخے وغیرہ دلانے والے تھے۔'' وہ اس کے فیصلے سے انجان متحیر سا اسے

والٹ تھما گیا تھا جس میں سے اس نے پانچ ہزار کی ایک بھاری رقم نکالی اور شرارت کے ساتھ اس کا والٹ اسے واپس کر دیا اور اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے والٹ جیب میں رکھ لیا تھا اور وہ جیپ گاڑی سے اتری اور اس نے وہ رقم غریبوں میں تقسیم کی تو اس کے لب مسکرا اٹھے تھے کہ اسے سمجھنے میں لمحہ نہیں لگا تھا کہ اس کی بات رانیہ کو سمجھ آگئی ہے جس کا اس نے اظہار بھی کیا تھا۔

''آج عبادت کی رات ہے تو حقوق اللہ کی ادائیگی سے قبل حقوق العباد کی ادائیگی ضروری ہے اور پٹاخوں وغیرہ میں پیسہ ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ یہ حقداروں تک پہنچ جائے۔'' وہ مسکرا رہی تھی اور ضمیم کا ہاتھ اس کے سر پر آٹھہرا تھا اور وہ سوچنے لگا تھا کہ تربیت ڈنڈے کے زور پر نہیں نرمی سے کی جاتی ہے کہ دل کی بات دل تک طاقت و زور کے ذریعے نہیں جاتی یکدم اسے وانیہ کا رویہ ستانے لگا تھا کہ اس کے ساتھ بھی اس نے کبھی زور زبردستی نہیں کی پہلے دل کی بات رکھی تھی اور اس کے انکار پر منانے کی کوشش کی تھی اور اب بھی صرف اسی کا خیال کرتے دوریاں بنائے ہوئے تھا اور اس کی دل کی بات نہ نرمی سے اس تک پہنچی تھی نہ ہی بے اعتنائی برتنے سے ایسا ہو پا رہا تھا۔

''آپ آپا سے ناراض ہیں بھیا؟'' اس کی گہری سوچ کی طنابیں ٹوٹی تھیں۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے اور تم اپنی آپا کو تو جانتی ہی ہو وہ کم گو ہے۔'' اس نے رانیہ کی بات کو مذاق میں ٹالنے کی بھرپور سعی کی تھی۔

''آپا کو تو جانتی ہوں مگر میرے لئے آپ کا انداز بہت اجنبی سا ہے کہ آپا تو ویسی ہی ہیں بس آپ ہی بدل گئے ہو۔'' اسے رانیہ کے اتنے درست و گہرے تجزیہ پر شدید حیرانگی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

''آپ نہ پہلے کی طرح ہنسی مذاق کرتے ہو، نہ ہی کوئی شرارت ورنہ میں اور آپ مل کر آپا کو کتنا تنگ کرتے تھے آپا تو تب بھی ایسی ہی تھیں۔'' وہ قدرے اداس نظر آنے لگی تھی وہ کافی ذہین تھی ہمیشہ جماعت میں اول آتی تھی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں شمولیت پر کتنے ہی سرٹیفکیٹ حاصل کر چکی تھی اور اس کی ذہانت آج ضمیم کے لئے امتحان بن گئی تھی۔

''آپا کی تصویر والٹ میں سجائی ہے تو انہیں ان کے ہونے کا احساس بھی بخشیں کہ آپ اگر آپا کی راہ پر چلیں گے تو نہ صرف خود اکیلے رہ جائیں گے آپا بھی تنہا ہو جائیں گی۔'' وہ اسے حیران و دکھی چھوڑ کر گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی اور اسے احساس ہوا تھا کہ وانیہ سے لاتعلقی ظاہر کرنے کے لئے اسے راستہ بنا کر اس نے کتنا غلط کیا تھا کہ اگر گھر میں کوئی بڑا ہوتا تو وہ ایسا نہ کر پاتا اپنا بھرم ضرور قائم رکھتا اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ بھرم و مان بڑوں کے ہی نہیں اپنے چھوٹوں کے سامنے بھی قائم رکھنا پڑتا ہے وہ بہت کچھ بدلنے کا سوچتا ہاسپٹل کے راستے پر گاڑی ڈال گیا تھا۔

☆☆☆

''رانیہ! اپنی آپا سے پوچھو کہ ان کا تمہارے کمرے میں کب تک قیام پذیر رہنے کا ارادہ ہے۔'' اس نے موبائل پر گیم کھیلتی رانیہ کو ڈھال بنا کر درحقیقت وانیہ سے پوچھا تھا، وہ آج کل گرمیوں کی تعطیلات کی وجہ سے گھر میں ہی تھی، کہ ضمیم نے اس کا میٹرک کلاس میں اسلام آباد کے بہترین اسکول میں داخلہ کروا دیا تھا جو مشکل تو تھا مگر اس کے شاندار تعلیمی ریکارڈ اور ٹیسٹ کلیئر

کر لینے کے سبب آسانی سے ہو گیا تھا، رانیہ ہی نہیں وانیہ بھی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آپ دونوں ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں مجھے؟" وہ معصوم بنا تھا۔

"تمہاری آپا نئی جگہ کی وجہ سے اتنے عرصے سے تمہارے ساتھ روم شیئر کر رہی ہیں مگر اب یہاں آئے ہمیں کافی عرصہ ہو گیا ہے میرا خیال ہے اب تمہیں اکیلا رہنے کی عادت ڈالنی چاہیے کب تک میری بیوی پر قبضہ کیے رہو گی۔"

وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تھا تا کہ رانیہ کے تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں جبکہ وہ ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالتی تن فن کرتی چلی گئی تھی۔

"آپ نے آپا سے دوستی کر لی ہے؟" وہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ڈیئر ہم دوست ہی تھے تمہارا خیال کر رہے تھے اور الٹا تم ہی نہ جانے کیا کچھ سوچ بیٹھیں اب اکیلے ڈر لگے نا تو میری بیوی کو زحمت مت دینا۔" اس نے منہ بنا کر کہہ کر اس کی پونی کھینچی تھی اور وہ مسکرا دی تھی اور رانیہ کے جاتے ہی وہ آن دھمکی تھی۔

"رانیہ کے سامنے فضول بکواس کا مطلب؟" وہ اسے ناگواری سے دیکھ رہی تھی تب اس نے رانیہ سے ہوئی گفتگو اس کے گوش گزار کر دی تھی جس کے بعد اس نے بڑی خاموشی سے از خود اپنا سامان صمیم کے کمرے میں شفٹ کر لیا تھا مگر اس نے اپنا قیام صوفے تک محدود رکھا تھا اور وہ دونوں کمرے میں چاہے ایک دوسرے سے لاتعلق ہو کر رہتے تھے مگر رانیہ کے سامنے ایک پرفیکٹ کپل شو کرتے تھے۔

☆☆☆

رمضان کی آمد آمد تھی، اس نے رانیہ کے ساتھ مل کر پورے گھر کی اور کچن کی خصوصی صفائی کی تھی اور چند ایک چیزیں بنا کر فریز کر دی تھیں کہ یہی طریقہ ان کی ماں کا تھا کہ رمضان کے بابرکت مہینہ میں وہ عبادت پر خصوصی توجہ دیتی تھیں اس لئے یہی وانیہ کی بھی عادت تھی اس لئے اس نے رمضان کے آغاز سے قبل ہی چنے ابال کر اور سموسے رول اور جو چیزیں فریز کی جا سکتی تھیں کر لی تھیں تا کہ رمضان میں کام کم ہوں اور عبادت کے لئے وقت زیادہ میسر آ جائے، ان دونوں کی وہی روٹین تھی اور رمضان کا آغاز ہو گیا تھا پڑوس میں درس اور دورہ قرآن کی محفل ہوا کرتی تھی جس میں نہ صرف وہ خود پابندی سے جا رہی تھی رانیہ کو بھی لے کر جاتی تھی، رمضان کی برکات سے وہ مستفید ہو رہے تھے اور ایک ایک کر کے روزے گزرتے جا رہے تھے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس نے عبادات اور نفلی نمازوں کا خاص اہتمام رکھا تھا وہ دونوں مل کر "صلوۃ التسبیح" کی نماز لازماً پڑھا کرتی تھیں اور عبادت میں دل لگایا تھا تو اسے اپنے رویے کی بد صورتی کا بھی شدت سے احساس ہونے لگا تھا مگر تلافی کی ہمت نہیں پڑتی تھی وہ رمضان سے پہلے اور رمضان کے دوسرے عشرہ میں بھی عید پر پہننے کے لئے کافی کچھ لے آیا تھا مگر رانیہ نے جیسے ہی عید کا چاند نظر آیا تھا چوڑیاں لانے کی ضد شروع کر دی تھی کہ نثار درانی ان سب کو چاند رات کی رونقیں دکھانے لے جایا کرتے تھے وہ منع کرنا چاہتا تھا مگر وانیہ نے بھی چلنے کو کہا تو وہ حیرانگی کے باوجود خاموشی سے راضی ہو گیا تھا، راستے میں رانیہ نے کہا تھا کہ وہ چوڑیوں کے ساتھ اپنی پسند کا جوڑا بھی لے گی اور اس نے لگے ہاتھ وانیہ کو بھی مشورہ دے ڈالا تھا کہ وہ عید کے لئے ساڑھی لے لے مگر اس نے بڑھی سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"مجھے ساڑھی بالکل پسند نہیں ہے اور ہم ابھی صرف چوڑیاں لے کر واپس آجائیں گے۔"
اس کے کہنے پر اس کا منہ لٹک گیا تھا۔
"رمضان کی تمام راتوں کی طرح آج کی رات بھی بہت اہم ہے رانیہ، کہ آج عبادت کریں گے تب ہی تو ہمیں انعام یعنی صبح عید نصیب ہوگی کہ پورے سال پڑھیں اور امتحان نہ دیں تو کوئی فائدہ ہوگا؟ سال بھر کی محنت ضائع ہو جائے گی اور شب عید کو عبادت نہ کرنے کا مطلب ہے پورے مہینہ کی عبادت کا انعام وصلہ اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دیا۔" اس نے بہت نرمی سے اسے آج کی شب کی اہمیت سمجھائی تھی وہ دونوں مسکرا دیئے تھے جبکہ وانیہ اس کے بات سمجھ آجانے پر مطمئن ہوگئی تھی لیکن جب کچھ سوچ کر اس نے اپنی پسند سے اسے ایک ساڑھی دلوانا چاہی تھی تب وہ چڑ گئی تھی۔
"آپ لوگ کیوں پیچھے پڑ رہے ہیں، جب میں نے کہا کہ مجھے نہیں پسند، نہیں پہننی ہے ساڑھی۔" دبے دبے غصہ سے بولی تھی۔
"تمہیں نہیں پسند تو تمہیں میرے کہنے پر پہننی پڑے گی۔" وہ بے لچک لہجہ میں بول کر وہ ساڑھی پیک کرنے کو کہہ گیا تھا جبکہ وہ اس کے حکمیہ انداز پر خاموش ہوگئی تھی ان دونوں کو ڈھیر ساری شاپنگ کروانے کے بعد وہ انہیں لئے پیزا ہٹ آگیا تھا یہ اور بات تھی کہ رانیہ نے ہر ایک چیز اپنی پسند سے لی تھی اور وانیہ کے لئے اس نے اپنی پسند سے ایک ایک چیز لی تھی اس کی خاموشی، اترا ہوا چہرہ اس کے غصہ و ناراضگی کا مظہر بنا ہوا تھا لیکن اس نے ذرا برابر اہمیت نہیں دی تھی اور فہیم واس کی بیوی کے لئے گفٹ بھی خود ہی پسند کیے تھے، رانیہ بہت چہک رہی تھی اور کافی عرصہ بعد وہ بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"بہت دن کر لئے تھے آپ نے سنجیدگی کے مظاہرے آخر آ ہی گئے نا اپنے اصلی مسخرے انداز میں۔" اسے اونچے اونچے قہقہہ لگاتے ہوئے دیکھ کر اس نے بے زاری سے سوچا تھا۔
"بہت تھک گیا ہوں ایک مگ کافی بنا دو۔"
سارے کام بے شک وہی کرتی تھی مگر اس طرح فرمائش اس نے اتنے ماہ میں پہلی بار کی تھی وہ تو پہلے ہی خار کھائے بیٹھی تھی نہایت تپ کر صاف انکاری ہوگئی تھی۔
"میں بھی بہت تھک گئی ہوں، میرا کچن میں جانے کا بالکل ارادہ نہیں ہے۔" وہ آگے بڑھی ضرور تھی مگر جا نہیں سکی تھی اس نے اتنے ماہ میں پہلی دفعہ اس کی کلائی تھام لی تھی۔
"میں نے تمہارا ارادہ نہیں پوچھا، حکم سمجھتی ہو وہی دے رہا ہوں۔" وہ اس کی بے یقینی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں بولا تھا۔
"آپ کی ملازمہ نہیں ہوں جو آپ مجھے حکم دے رہے ہیں۔" وہ کلائی آزاد کرواتے ہوئے بدلحاظی سے بولی تھی۔
"میں نے ملازمہ تو نہیں سمجھا یہ اور بات ہے کہ بیوی اور ملازمہ کی حیثیت میں بلا مبالغہ تھوڑا بہت ہی فرق ہوتا ہے۔" اس نے لفظوں کو چبا چبا کر ادا کیا تھا وہ اہانت سے سرخ پڑتی ناگواری سے اسے دیکھنے لگی تھی۔
"اور بیوی کا درجہ تمہیں دیا نہیں ہے اس لئے اپنی حیثیت کا تعین خود کر لو تو زیادہ بہتر ہے۔" اس کے دیکھنے پر وہ مسکرانے لگا تھا اس کا چہرہ ذلت کے مارے سرخ پڑ گیا تھا۔
"رونا چاہو تو شوق سے مگر پہلے مجھے کافی بنا دینا۔" اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھ گہری سنجیدگی سے کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے

تھے رہانت وغصہ کا احساس رگ و پے میں اترنے لگا تھا اور غصہ میں تو اس کی عقل بالکل ہی ماؤف ہو جاتی تھی اس وقت بھی یہی ہوا تھا جبکہ وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے کے بعد ایک پل کو چین کی سانس نہیں لے سکتا تھا کمرے میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا اس نے اے سی کی کولنگ بڑھائی مگر نہ جانے کیسی بے کلی تھی کہ اس نے تازہ ہوا کی چاہ میں کھڑکی کے پردے ہٹا دیئے تھے سگریٹ سلگائی تھی اور کھڑکی میں آن کھڑا ہوا تھا سامنے کا منظر دیکھ اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھوٹی اور وہ اندھا دھند باہر کی طرف بھاگا اور وہ جو غصہ میں کچھ سوچے سمجھے بنا گھر سے نکل گئی تھی اسے ہزار تاویلوں کے باوجود زبردستی بازو سے جکڑے تقریباً گھسیٹتے ہوئے گھر میں لایا تھا اور بیڈ پر دھکیل کر بری طرح اسے اس کی حرکت پر سرزنش کرنے لگا تھا۔

''مجھے نہیں رہنا ہے آپ کے ساتھ۔'' وہ چیخی تھی۔

''بکواس بند کرو اپنی ورنہ جان سے مار دوں گا۔'' وہ اس سے زیادہ زور سے چیخا تھا۔

''ہاں مار دیں ایک بار ہی جان سے مار دیں تاکہ روز روز کی بے عزتی سے تو جان چھوٹ جائے گی۔'' بلکتے ہوئے بولی تھی اور وہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا تھا۔

''دانیہ!'' اتنے عرصے میں پہلی دفعہ نرمی و چاہت سے اسے پکارا تھا۔

''یوں آپ سمجھ نہیں رہے، ملازمہ میں بننا نہیں چاہتی تو کیوں روکا مجھے، جانے دیں یہاں سے مجھے آپ کی ملازمہ بن کر نہیں رہنا ہے۔'' اس کی گریہ وزاری بڑھ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' وہ اس کے مقابل آیا تھا۔

''آپ نے مجھے ہرٹ نہیں کیا میری عزت نفس کو کچل کر رکھ دیا ہے۔'' وہ اس کا بازو جھٹکتی پھنکاری تھی۔

''اور یہی سب جب تم کر رہی تھیں، وہ کچھ نہیں صرف تمہارے خراب رویے کے سبب کتنے لوگ متاثر ہوئے کبھی تم نے سوچنے کی زحمت تک نہ کی اور آج بات خود پر آئی تو برداشت نہیں ہو رہا۔'' وہ دکھی لہجے میں بولے بنا نہیں رہا تھا۔

''ہاں نہیں ہو رہا برداشت اور کیوں ہو، میں نے تو آپ سے صرف شادی سے انکار کیا تھا نہیں ہیں آپ مجھے پسند اس لئے نہیں کرنا تھی مجھے آپ سے شادی اور اقرار وانکار کا جب مجھے حق حاصل تھا تو کیوں انا وضد کا مسئلہ بنایا؟ کیوں زبردستی مجھ سے نکاح کیا؟ اسی لئے ناکہ میری عزت نفس متاثر کرسکیں، مجھ سے اپنی توہین کا بدلہ لے سکیں۔'' وہ اس سے بدگمان تھی۔

''میں نے ضد وانا کا مسئلہ نہیں بنایا کہ ہر مسئلہ تمہاری طرف سے ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ جبراً نکاح کیا ہے۔'' وہ بھی دوبدو بولا تھا۔

''اور جبر کیسے ہوتا ہے میرے انکار کے بعد کیوں میرے باپ کو جذباتی بلیک میل کیا گیا؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

''میں نے تمہارے صاف انکار کے بعد ہر راستہ بند ہونے پر اپنی جان لینا چاہی تھی اور میرے لئے میرے ماں باپ مجبور ہو گئے لیکن میں نے اپنی ماں کی آنکھوں میں مجھے کچھ ہو جانے کا جب خوف دیکھا تھا تب مجھے احساس ہوا تھا کہ میں نے کتنا غلط قدم اٹھایا تھا میں نے اپنی ماں سے سوری کی تھی اور انہوں نے جب ہمارے نکاح کی بعد کی تھی تو میں نے انکار کر دیا تھا لیکن ان کے قسم دینے، ہاتھ جوڑنے پر میں خاموش ہو

گیا تھا میری ماں سے محبت اور دل میں ان کے لئے احترام کو تم جبر کا نام دیتی ہو تو شوق سے دو۔'' اس نے تمام تر تفصیل سے اسے آگاہ کیا تھا۔

''نکاح سے پہلے احساس تھا کہ تم ایسا نہیں چاہتیں تو ماں کو روکنا چاہا تھا مگر ماں نے مجبور کر دیا اور ہمارا نکاح ہو گیا۔'' وہ بیڈ پر گر سا گیا تھا۔

''نکاح کے بعد احساس ہوا کہ تم اسے نبھانا نہیں چاہتیں تو اس بندھن سے تمہیں آزاد کرنا چاہا مگر بڑی ماما نے مجبور کر دیا اس لئے رشتہ اب تک قائم ہے۔'' وہ نہایت آزدہ لہجہ میں بولا تھا۔

''لیکن تم نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے میں تمہیں آزاد کر دیتا ہوں کہ تمہاری خوشیوں کا قاتل بننے سے بہتر تو یہ ہے کہ میں عہد شکن بن جاؤں۔'' اس نے فیصلہ لیا اور اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

''عہد شکنی آپ کریں گے نہیں آپ تو ہر عہد توڑ چکے صمیم درانی۔'' وہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگا تھا۔

''آپ نے خود سے کیا عہد توڑا ہے مجھ سے محبت کرنا چھوڑ کر، آپ نے محبت سے کیا عہد توڑا ہے، محبت کے تقاضے پورے نہ کر کر، آپ نے چھوٹی مما سے کیا عہد توڑا ہے مجھے خوش نہ رکھ کر، مجھے طلاق دینے کی بات کر کے، آپ نے مما سے کیا عہد توڑا ہے مجھے محبت و عزت نہ دے کر، آپ عہد شکن ہیں صمیم اور پہلے میں آپ کو صرف ناپسند کرتی تھی مگر اب شدید نفرت کرتی ہوں، سنا آپ نے صمیم میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔'' وہ اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑے بلکتے ہوئے کہتی چلی گئی تھی اور وہ سناٹے میں آ گیا تھا مگر کچھ ہی دیر میں سنبھلا تو اس کے اپنے گریبان تھامے ہاتھ جکڑ لئے تھے۔

''ہاں ہوں میں عہد شکن، مگر مجھے عہد شکن تم نے بنایا ہے، تمہارے دھوپ سے مزاج اور خزاں کی چاہ نے مجھے ایسا بنایا ہے۔'' وہ ہر الزام اس پر جڑ گیا تھا وہ رونا بھول کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کے حزن و ملال کا منظر پیش کرتے چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

''تمہاری پسند کے سانچے میں ڈھلتے ڈھلتے میں خود خزاں کی دھوپ بن گیا مگر تمہارے معیار پر پھر بھی نہ اتر سکا۔'' اس کی آنکھوں میں نمی سی در آئی تھی۔

''میں نے ہنسنا، مذاق کرنا، تمہیں ستانا شوخ رنگ پہننا چھوڑ دیئے پھر بھی تم مجھے بے یقینی سے دیکھتی رہیں تمہیں میری چاہت کے رنگ میری کمزوری لگتے تھے۔'' اس نے یکدم نگاہ چرا سی لی تھی اور وہ تلخی سے ہنس دیا تھا۔

''تمہیں سوبر اور غصیلے دوٹوک فیصلہ سنانے والے، بات کہہ کر پیچھے نہ ہٹنے والے، اپنی ذات کو اہمیت دینے والے، اپنی ضد کے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھنے والے مغرور مرد اچھے لگتے تھے اور میں ایسا ہی بن گیا تو تم کہتی ہو کہ میں عہد شکن ہوں۔'' وہ نہایت دکھ و آزردگی سے بولا تھا۔

''میں غلط تھی، میری پسند غلط تھی صمیم۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''میں جن باتوں، جن انداز کو مردوں کی شان سمجھتی تھی وہ خود میرے لئے باعث آزار بن گئے۔'' وہ بہ خوبی سمجھ گئی تھی کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

''آپ کی بے رخی نے مجھے احساس دلایا کہ آپ کا سابقہ روپ کتنا میٹھی چھاؤں جیسا تھا کہ مزاج کی دھوپ تو بہار کو خزاں میں بدل دیتی ہے جبکہ آپ تو میرے لئے بہار کا پیام تھے مگر

میں یہ اس وقت جان پائی جب بہار نے خزاں کی دھوپ اوڑھ لی۔" وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

اپنی پسند، اپنی سوچ پر نادم تھی کہ انسان بعض اوقات پسند اور آئیڈیل کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنے لئے خزاں کا انتخاب کر لیتا ہے جبکہ اللہ نے اس کے لئے نرم سی بہار رکھی ہوتی ہے مگر انسان اپنی ناشکری و جلد بازی سے مجبور ہو جاتا ہے۔

"میں نے تمہاری ڈائری پڑھی تھی وانیہ۔" وہ رونا بھول گئی تھی۔

"میں ڈائری کے ذریعے تمہاری سوچ، تمہاری پسند اور تمہارے آئیڈیل سے متعلق سب کچھ جان گیا تھا اسی لئے جب رخصتی ہوئی اس کے بعد میں نے تمہیں مخاطب تک نہ کیا بلکہ تمہارے ساتھ روڈلی بی ہیو کرتا رہا کہ میں تمہیں یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ مزاج کی نرمی اور سختی معنی نہیں رکھتی کچھ معنی رکھتا ہے تو وہ ہے رشتوں کا احساس اور محبت۔" وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

"اگر شوخ آدمی کے دل میں محبت ہے اور وہ محبت کرنا جانتا ہے تو اس سے اچھا کوئی نہیں ہے اور سنجیدہ و اکھڑ آدمی کے دل میں محبت نہیں ہے مگر محبت ہے بھی تو اسے محبت کرنا نہیں آتی تو اس سے زیادہ بدلا و کمزور انسان کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔" وہ نہایت نرم لہجہ میں بولا تھا۔

"سچ کہوں ناصمیم تو آپ مجھے وہ اپنے شوخ بے پرواہ انداز میں ہی اچھے لگتے تھے، یہ سنجیدہ سا کڑوے جملے بولتا صمیم درانی مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ سسکی تھی اور اس نے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

"میری ساری شوخیاں تمام شرارتیں تمہارے دم سے ہیں کہ میں تمہاری خوشی کے لئے خود کو قربان کر سکتا ہوں۔" وہ اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے شدت جذبات سے چور لہجے میں بولا تھا۔

"آئی لو یو وانیہ! تم میری محبت، میرے جینے کی وجہ ہو۔" اس نے مخمور لہجے میں کہہ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

"آئی لو یو ٹو صمیم!" وہ بھیگتے حیا آلود لہجے میں بولی تھی۔

"اب لگا ہے کہ آج چاند رات ہے۔" وہ شوخی سے مسکرایا تھا وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"چاند میری بانہوں میں اترا ہے اس سے حسین چاند رات کون سی ہو سکتی ہے۔" وہ اسے اپنے قریب کرتے ہوئے معنی خیزی سے بولا تھا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا اور وہ مزید جسارتوں پر آمادہ ہوا ہی تھا کہ دروازہ پر زوردار طریقے سے دستک ہوئی تھی جہاں وہ بدمزہ ہوا تھا وہ کھلکھلا اٹھی تھی اس نے وانیہ کو یوں کھل کر پہلی دفعہ ہنستے دیکھا تھا ورنہ وہ تو مسکرانے میں بھی کنجوس واقع ہوئی تھی۔

"ہنستی رہا کرو بہت اچھی لگتی ہو۔" وہ بے ساختہ بولا تھا اور وہ جھینپ کر دروازہ کھول گئی تھی آنے والی رانیہ ہی تھی جو خوشی خوشی اپنی مہندی دکھا رہی تھی۔

"آپا! میری مہندی اچھی لگ رہی ہے نا؟" اس نے اپنے ہاتھ بھرپور مسرت کے ساتھ وانیہ کے آگے کیے تھے۔

"بہت پیاری لگ رہی ہے بالکل تمہاری طرح۔" اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے اس کا رخسار تھپکا تھا اور وہ حیرانگی سے وانیہ کو دیکھنے لگی تھی۔

"میں جان گئی ہوں رانی! کہ جو مزہ ہنستے مسکراتے زندگی گزارنے میں ہے وہ منہ بنا کر روتے دھوتے گزارنے میں نہیں ہے۔" وہ بہن

کی حیرت بھانپ کر آزردگی سے بولی تھی اور وہ بہن سے لپٹ گئی تھی۔

''سچ کہا آپ نے کہ جو مزہ دوسرے کو تنگ کرنے میں آتا ہے کسی اور کام میں آ ہی نہیں سکتا۔'' وہ کھلکھلا رہی تھی وہ مسکرا دی تھی کہ اس کی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے ان دونوں میں خاص انڈر اسٹینڈنگ نہ تھی مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ خود ساختہ فاصلے مٹا ڈالے گی۔

''بھابھی! آپ کو بھی مہندی لگانے کے لئے بلا رہی ہیں۔'' اس نے عرشیہ کا کہا تھا کہ وہ خود بھی اسی سے مہندی لگوا کر آئی تھی۔

''نہیں، مجھے پسند نہیں ہے۔'' وہ سختی کے بجائے نرمی سے بولی تھی۔

''مہندی لگوا لو جا کر وانیہ۔'' وہ دونوں ہی خاموش کھڑے صمیم کی آواز پر چونکی تھیں۔

''مجھے مہندی بہت اچھی لگتی ہے اور مہندی لگے ہاتھ اچھے سے بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور رانیہ کے کھلکھلانے پر وہ جھینپ مٹانے کو اس کے سر پر ایک چپت لگا گئی تھی۔

''مہندی لگاؤں گی میں سجنا کے نام کی۔'' وہ شوخی سے گنگنائی تھی اور وانیہ کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا جبکہ صمیم کے بے ساختہ قہقہہ پر اس کا چہرہ اناری ہو گیا تھا اور وہ خفت مٹانے کو اسے مارنے کو لپکی تھی جبکہ وہ اسے انگوٹھا دکھاتی منہ چڑاتی باہر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

''تو جان صمیم آپ لگائیں گی اپنے سجنا کے نام کی مہندی۔'' وہ آنکھوں میں شوخی لبوں پر مسکان سجائے اس کے سامنے آن ٹھہرا تھا۔

''ہاں کہ اب یہ جان صمیم صرف وہی کرے گی جو صمیم کو پسند ہے۔'' وہ حیاء سے سرخ پڑتی لب کا کونا دانتوں تلے دبا کر نرمی سے شوخی سے بولی تھی اور اس کی اس ادا پر وہ دل و جان سے فدا ہوتا اسے خود سے لپٹا گیا تھا رمضان کی مبارک ساعتیں گزر گئی تھیں مگر اللہ کو ان کا کوئی ادنیٰ سا فعل اتنا پسند آیا تھا کہ ان کی کھوئی مسرتیں انہیں لوٹا دی تھیں خزاں کو بہار کا پیرہن عطا کر دیا تھا اور دھوپ، چھاؤں کے قالب میں ڈھل گئی تھی شب عید ان کے لئے راحتیں و مسکراہٹیں لے کر آئی تھی کہ وہ محبتوں کی کاری گری جان گئے تھے کہ محبت جس دل کو چھو لے ہر دن بہار اور ہر رات شب عید کی مانند چمکدار اور روشن ہو جاتی ہے۔

میں خزاں کی دھوپ ہوں
تو پیام ہے بہار کا

وہ مہندی سے بیل بوٹے بنواتے ہوئے کسی سوچ کے تحت مسکرائی تھی اور اس نے اپنی سوچ بذریعہ ٹیکسٹ اسے ارسال کر دی تھی جو بے چینی سے اس کا منتظر تھا اس نے مسکرا کر اس کا ارسال کیا ہوا میسج پڑھا اور کمرہ اس دشمن جاں کے شایان شان سجانے کی تیاری کرنے لگا کہ شب عید وصال یار کے سنگ جلوہ افروز ہونی تھی اور انہیں یقین ہو چلا تھا کہ صبح عید بہت پر نور ہو گی۔

☆☆☆